

بیا سہ ہفتائی

بتقریب یوم پاکستان ۱۹۸۲ء

پاکستان کا تصور کس نے دیا تھا؟

یہ نہ قادیانیت کی تخلیق تھا نہ انگریز کی سازش

— خان عبدالولی خان کے الزام کی حقیقت —

پرویز

چول نہ بنیں حقیقت کہ افسانہ زندگی

افسانہ اور حقیقت

نظیری، کاش بنیائی کہ درساں فرچہ می داری
کہ پیش ز اہل قدر گنہ گاراں شود پیدا

عزیزان گرامی! السلام علیکم
۲۳ مارچ کا دن، ہماری ملی زندگی میں ابدی اہمیت کا حامل ہے۔ (آج سے بیالیس سال پہلے) اس روز ہم نے حصول آزادی کے عزم کا اعلان کیا تھا۔ آزادی کی عظمت، اہمیت کس قدر ہے اس کا اندازہ اس سے لگا بیٹے کہ جب حضور نبی اکرمؐ، ہجرت کے بعد، مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ دریافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ اس روز بنی اسرائیل نے فرعون کی غلامی سے آزادی حاصل کی تھی۔ ہم اس کی یاد میں جنس مسرت مناتے اور شکر اٹھانے کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ہمیں بھی اس دن کا روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ کسی قوم کا مستبد انسانوں کی حکومت سے رستگاری حاصل کر لینا، اسی قوم کے لئے باعث مسرت نہیں۔ یہ پوری کی پوری نوع انسان کے لئے وجہ فخر و انبساط ہے۔ غلامی انسانیت کے لئے وجہ تذلیل ہے، اور آزادی، آدمیت کے لئے باعث سرفرازی۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ دین کی منزل الْعَقَبَةُ کے مراد ہے۔ یعنی پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنے کے مراد۔ اتنا کہنے کے بعد فرمایا: وَمَا آذَانُكَ مَا الْعَقَبَةُ..... (سورہ ۲۰)۔ تمہیں کوئی معلوم ہے کہ ”پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنے“ سے مراد کیا ہے؟ نہیں معلوم تو سن لو کہ اس سے مراد ہے: قُلْتُ مَا الْعَقَبَةُ..... (سورہ ۲۰)۔ ”نوع انسان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانا“ یہ ہے الدین کی منزل کا قدم اول۔ خود حضور نبی اکرمؐ کی بعثت کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ قَدْ يَصْنَعُ عَقَبًا مِمَّا اصْرَهُمْ وَالْاَعْلَانِ السَّيِّئِ كَانَتْ عَقَبِيَّةً..... (سورہ ۲۰)۔ وہ ان زنجیروں کو توڑ دے گا جن میں نوع انسان جکڑی ہوئی تھی، اور ان کے سر سے ان سلوں کو اتار پھینکے گا جن کے بوجھ تلے وہ دبلی ہوئی تھی۔ اس سے آپؐ اندازہ لگا لیجئے کہ اسلام میں آزادی کی قدر و قیمت کیا ہے، اور اسی سے پھر اس کا بھی اندازہ

طاہر قذافی کی قرآن کی روشنی میں غلامی کی کیفیت اور ہماری مذہبی پیشوائیت غلام اور لونڈیوں کو عین مطابق اسلام قرار دیتی ہے!

لگا لیجئے کہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء کی اہمیت کیا! میرے لئے تو اس تقریب کی یاد ایک اور جہت سے بھی فردوسِ قلب و دماغ ہے کہ میں اُس عیدِ نظارہ میں خود شامل تھا جس میں اُس عزمِ آزادی کا اعلان کیا گیا تھا اور اس معرکہ آرائی میں شریک جس کا فاتحانہ انجام حصولِ پاکستان تھا۔ جس جگہ اب سینا پر پاکستان سرفرائز ہے۔ وہاں مسلم لیگ کے اجلاس کا پنڈال ایتادہ تھا اور اس کے باہر طلوعِ اسلام کا خیمہ نصب تھا جو سیاسی مذاکرات کی آماجگاہ تھا۔ میں بھلا زندگی کی ان حسین ساعتوں کو کیسے فراموش کر سکتا ہوں؟

لیکن آزادی کی قدر و قیمت تو وہی قوم ہاں سکتی ہے جس نے اسے خون کی قیمت دے کر حاصل کیا ہو! جس قوم کو ایک قطعہٴ خون بہائے بغیر ایسی عظیم حکمتِ مفت میں مل جائے، وہ نہ اس کی قدر و قیمت جان سکتی ہے، اور نہ اُس محسنِ ملت کا مقام پہچان سکتی، جس نے اسے اس متاعِ بے بہا کا مالک بنا دیا۔ یہی نہیں کہ اس قوم نے اس محسن کے مقام کو نہیں پہچانا، اس نے اس کی عظمت کو انداز کر دینے میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھار تھی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء کو "قائدِ اعظم" کے یومِ پیدائش کی تقریب پر اپنے خطاب میں کہا تھا کہ جن لوگوں نے مطالبہ اور حصولِ پاکستان کی جدوجہد کی انتہائی مخالفت کی تھی، وہ تشکیلِ پاکستان کے بعد ہجوم کر کے ادھر آ گئے، اور یہاں اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے مختلف سازشوں اور کاوشوں میں مصروفِ عمل ہیں۔ انہی میں خان عبدالول خان کا وہ شگوفہ ہے جو انہوں نے حال ہی میں چھوڑا ہے۔

وسوسہ انگیزی

قرآن کریم نے تیس باروں میں اپنی تعلیم اور پیغام کو مکمل کر دینے کے بعد آخری سورۃ میں، اُمتِ مسلمہ کو متنبہ کیا ہے کہ تم، ان لوگوں کے خطرہ سے محتاط رہنا۔ یُونُسُوسِ فِی صُدُورِ الْمَنَاسِینِ (۱۱۳) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ کی چنگاری ڈال دیتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر، قرآن کی رُوسے، اُمت کے لئے سب سے بڑا خطرہ وسوسہ اندازی ہے۔ اور خانِ ولی خان نے اسی حربہ سے کام لیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہمارے عوام دونوں سے بڑے (ALLERGIC) ہیں۔ اور انہیں بجا طور پر ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ یعنی قادیانیت اور انگریز پرستی۔ جو نہی کسی نے کہا کہ غلامِ سلیم، قادیانیوں کی تراشیدہ ہے اور اس کا پیش کرنے والا انگریز کا آکہ کار، تو عوام، اسے برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ خانِ ولی خان نے اپنے انٹرویو میں (جو سب سے پہلے، ہفتہ وار چٹان کی ۲۱ دسمبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا) جو کچھ کہا اس کا شخص یہ تھا کہ قائدِ اعظم نے جو سکیم، مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء میں پیش کی تھی، وہ درحقیقت سرخپراشتہ خان کی تخلیق تھی، جو اس زمانے کے دانشور لارڈ لٹلٹن کا کی تصویر کے ساتھ ۱۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو

انگریزیت اور قادیانیت

مسٹر محمد علی جناح کو بھیجی گئی تھی۔ آپ نے غور فرمایا کہ خان صاحب نے، قائدِ اعظم کے خلاف جذباتِ حقارت

طیہ خطاب اب بھٹک کی شکل میں شائع ہو گیا ہے جس کا عنوان ہے "تحریکِ پاکستان کے مخالف علماء"۔

اجساد لے کے لئے، انہیں کس طرح دہشت گردوں کا ہدف بنایا! قائد اعظمؒ کا سب سے بڑا، معرکہ آرا کارنامہ ۱۹۴۰ء کی قراردادِ پاکستان ہے۔ اس قرارداد کے متعلق تیار کیا گیا کہ وہ ایک قادیانی (سر ظفر اللہ خان) کی وضع کردہ، اور انگریز کی منشا کے مطابق تھی جس قدر خطرناک سازش ہو سکتی ہے، ظاہر ہے۔ خان صاحب، اپنے سیاسی کردار میں جس خصوصیت کو سب سے زیادہ وجہ اختیار قرار دیتے ہیں وہ یہی ہے کہ وہ انگریز کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ اپنے آپ کو انگریز کا دشمن اور جناحؒ کو انگریز کا آلہ کار ٹھہرانے سے اپنی جس آتش انتقام کا ٹھنڈا کرنا مقصود ہو سکتا ہے، ماہرینِ نفسیات اس کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ باقی رہا یہ کہ اس سکیم کے ایک قادیانی کی طرف منسوب کرنے سے عوام کے دل میں کس قسم کے جذباتِ نفرت ابھر سکتے ہیں، اس کے لئے وہ ایک شہادت کا پیش کیا جانا کافی ہو گا۔ واضح رہے کہ میں ان شواہد کو محض حقائق کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔ ان سے کسی کا استخفاف مقصود نہیں۔

(۱) سر ظفر اللہ خان جس مذہب کے پیرو ہیں، اس کے بانی (میرزا غلام احمد صاحب) نے انگریزوں کی اطاعت کو مذہبی فریضہ قرار دیا تھا۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ **أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ** (اولی الامر من بعدی) یعنی، تم خدا کی اطاعت کرو۔ رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے جنہیں کچھ اختیارات سونپ دیئے جائیں، ان کی اطاعت کرو۔ میرزا صاحب نے اس آیت کا تشریح یہ لکھا تھا۔

اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزماں ہے۔ جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالفت نہ ہو اور اس سے مذہبی فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے ہے۔ اس لئے میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں۔

(ضرورت الالم - صفحہ ۲۳)

انہوں نے اپنے اشتہار مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۴۲ء میں لکھا تھا کہ

میں سولہ برس سے برابر اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ مسلمانانِ ہند

پر اطاعت گورنمنٹ برطانیہ کی فرض اور جہادِ حرام ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد سوم، ص ۱۹۷)

میرزا صاحب کی اس قسم کی تحریریں بکثرت پیش کی جا سکتی ہیں، لیکن میں انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ یہ تفصیلات میری کتاب "ختم نبوت اور تحریک احمدیت میں مل سکیں گی۔

(۲) مسلمان اس واقعہ کو کیسے بھول سکتے ہیں کہ سر ظفر اللہ خان نے قائد اعظمؒ کی نازیبا نہ نہیں ٹیپھی

تھی، ورنہ آج وہ لاکھوں مسلمانوں کے مجمع ہیں، قائد اعظمؒ کی میت کے قریب کھڑے کئے جا

سر ظفر اللہ خان کی اس جرأت کی داد نہ دینا خلافِ انسان ہو گا کہ انہوں نے ایسے نازک وقت میں بھی اپنے عقیدے کے اظہار میں کسی مذہبیت یا رپو میسی سے کام نہیں لیا تھا۔

(۳) سر ظفر اللہ خان جس جماعت (جماعت احمدیہ) سے متعلق ہیں، اس نے پاکستان کو کبھی نہیں اپنایا۔ اس جماعت کے امیر میرزا بشیر الدین محمود (خلیفہ ثانی) نے دستخط پاکستان کے دوران، ایک سوال کے جواب میں (کہ اب جبکہ پوری سالانہ قوم نے پاکستان کے مطالبہ کو اپنایا ہے، آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے) کہا تھا کہ

بے شک مسلمان نور لگاتے رہیں۔ جس نامی قسم کا پاکستان وہ چاہتے ہیں وہ کبھی نہیں بن سکتا۔

(روزنامہ الفضل ۸ جون ۱۹۷۷ء بحوالہ پیغام صلح بورڈ ۲۹ ۳۰)
یعنی "رومانی پاکستان" تو ان کے نزدیک، قادیان میں بن چکا تھا جس قسم کا پاکستان مسلمان چاہتے تھے وہ کبھی نہیں بن سکے گا۔

جب پاکستان کا مطالبہ منظور ہو گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ اب وہ کیا کہتے ہیں تو انہوں نے کہا: ہندوستان کی تقسیم پر ہم راضی ہوئے ہیں تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے۔

اور پھر کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائیں۔

(الفضل ۱۲ مئی ۱۹۷۷ء بحوالہ پیغام صلح مذکور)

پاکستان کی سکیم کو ان حضرات کی طرف منسوب کرنے سے جس قسم کے تاثرات پیدا ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے۔ اس باب میں خان دلی خان کی سادگی و پرکاری کی داد دینا خلاف انصاف ہوگا۔

(۵)

خان دلی خان کے اس بیان (اور بعد کی تشریحات) پر ملک میں کافی لے دے ہوئی لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اس بحث میں بالعموم جذبات سے کام لیا گیا، حقائق کو پیش نہیں کیا گیا۔ خان صاحب نے جو کچھ کہا ہے، وہ انہیں سے مختص نہیں۔ اصل یہ ہے کہ جو لوگ اسلام (الدین) کی کنہ و حقیقت سے واقف نہیں، (وہ خواہ سیکولر لیٹر ہوں اور خواہ مذہب پرست علماء) مطالبہ پاکستان کا جذبہ محرکہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا یا وہ سمجھنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ قیام پاکستان کے بعد اب تک اس سلسلہ میں بڑے بڑے دانشور ان قوم کی طرف سے جو کچھ کہا گیا ہے، وہ پاکستان کے جذبہ محرکہ سے ناواقفیت کا غماز ہے۔ متفقہ طور پر یہ کہا جاتا رہا کہ یہ ہندو کی تنگ نظری اور تعصب تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں نے تنگ آکر علیحدگی کا فیصلہ کیا۔ بعض نے کہا کہ اس مطالبہ کی پشت پر معاشی مفادات کا جذبہ کارفرما تھا۔ بعض نے اسے قائد اعظم کی اناہیت کا مظاہرہ قرار دیا۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ خان دلی خان صاحب کے الزام کے جواب میں بھی ایسا کچھ ہی کہا گیا ہے۔ میں اس باب میں جذبات سے کام نہیں لوں گا۔ حقائق اور شواہد کی روش سے واضح کرنے کی کوشش کروں گا کہ

(۱) مطالبہ اور قیام پاکستان کا حقیقی جذبہ محرکہ اور مقصود منہی کیا تھا؟

(۲) کیا یہ خیال ۱۲ مارچ ۱۹۴۷ء کے بعد کا اور تھا؟

(۳) کیا یہ انگریز کی پسندیدہ سکیم تھی؟

(۳) کیا قائد اعظم انگریز کے آلہ کار تھے۔

ہیں ان حقائق کو تشکیل پاکستان سے پہلے بھی پیش کرتا رہا تھا، اور اس کے بعد بھی پیش کرتا چلا آ رہا ہوں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ بحث کے تناظر میں ان کا بیک وقت سامنے آ جانا، فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔

(۴)

پہلا پاکستان مطالبہ پاکستان کے سلسلہ میں جو شکوک یہاں ابھارے گئے اور اُٹھارے جا رہے ہیں، اسی قسم کے شکوک "پہلے پاکستان" کے سلسلہ میں بھی پیدا کئے جاتے ہیں۔ پہلے پاکستان کے الفاظ آپ کو انوکھے سے لگیں گے۔ لیکن میں نے یہ الفاظ ان کے حقیقی معانی میں استعمال کئے ہیں۔ یعنی پاکیزہ سیرت حضرات کا مسکن جس میں قرآن کی حکمرانی ہو۔ یہ حقیقی پاکستان آج سے چودہ سو سال پہلے حجاز کی ارض پاک میں متشکل ہوا تھا۔ غیر مسلم مورتیں، خواہ وہ سیکولر ذہنیت کے مال ہوں اور خواہ کسی مذہب کے پیرو، اس کے جذبہ محرکہ کا صیغہ اندازہ کر نہیں سکتے۔ چنانچہ وہ اکثر کہا کرتے ہیں کہ نبی اکرم جینک مکہ میں رہے، ان کی حیثیت ایک معصنح یا مبلغ کی تھی۔ مدینہ جا کر جب کچھ قوت مجتمع ہوتی نظر آئی تو آپ کے دل میں مملکت سازی کا خیال پیدا ہوا۔ ان لوگوں کا یہ خیال، نہ صرف یہ کہ دین کی حقیقت سے عدم واقفیت کی دلیل ہے، خود تاریخی حقائق کے بھی خلاف ہے۔ تاریخ الکامل (ابن اثیر) میں ہے کہ..... رسول اللہ نے اپنی دعوت کے آغاز میں، جو بیانات خود اپنے اہل خاندان کے نام بھیجے تھے، ان میں کہا تھا کہ

یاد رکھو! تمہاری قوم میں آج تک کوئی ایسا جوان پیدا نہیں ہوا جس نے تمہارے سامنے اس نصب العین سے بہتر نصب العین رکھا ہو جسے میں پیش کر رہا ہوں۔ میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری کے لئے آیا ہوں۔ خدا کی بالادست حکومت کی طرف سے مجھے ہدایت ملی ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف دعوت دوں۔ مجھے اس (حکومت) کے امور سرانجام دینے کے لئے وزرا کی ضرورت ہوگی۔ کون ہے جو میرے ساتھ وزیر کی حیثیت سے کام کرے؟

اس کے بعد حضور نے اپنی دعوت کے تیسرے سال ان لوگوں کو "حکومت خداوندی" کے لئے جمع ہونے کی دعوت دی اور فرمایا کہ "یاد رکھو! یا تو خدا کا حکم غالب ہوگا اور یا میں اپنی جان سے گذر جاؤں گا۔" اسی تاریخ الکامل میں مذکور ایک اور واقعہ بھی قابل غور ہے۔ ایک دفعہ قبیلہ عامر کا ایک معزز اور بزرگ سردار آپ کے حلقہ دعوت میں پہنچا اور اس کے متعلق بہت سے سوالات کئے۔ اسی سلسلہ میں اس نے کہا کہ مکمل قول حقیقہ و ما حقیقہ قولک۔ ہر دعویٰ کا کوئی ٹھوس ثبوت ہوتا ہے۔ آپ کے دعویٰ کی صداقت کا ٹھوس ثبوت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیم اور اپنے بھائی عیسیٰ کی قوم داریوں، بشارتوں اور عظمت و اقتدار کا حامل ہوں۔ عامری نے کہا کہ اگر میں ان قوم داریوں کو پورا کر دوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ جنت کے باغات۔ اس نے کہا کہ یہ تو آخرت کی بات ہے۔

میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس سے مجھے اس دنیا میں کیا چل ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ

نَحْنُمُ الْمُتَصَوِّرَةُ الْمُتَحَكِّمِينَ فِي النَّبْذَاتِ

خوش آنند فتوحات اور معکوں پر حکومت۔ (شاہکار رسالت ص ۳۴)

اور یہ محض قیاس آرائی نہیں تھی۔ خدا کے اس وعدہ پر یقین محکم کا لازمی نتیجہ تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ ایمان و اعمال صالحہ کا لازمی نتیجہ استغفار فی الارض ہے (۲۲/۵۵) یہی وہ یقین محکم تھا جس کی بنا پر حضورؐ کبھی اعلان فرماتے تھے کہ زمین کے مشرق و مغرب کے علاقے میرے ہاتھ میں... دیئے گئے ہیں۔ کبھی اپنے رفقاء (صحابہؓ) سے فرماتے کہ قیصر و کسریٰ کی شاہنشاہیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور یہ سب اس لئے کہ دین کا ممکن، اپنی آزاد مملکت کے بغیر ممکن نہ تھا۔ (صفحہ ۲۲/۵۵) لہذا، یہ خیال غلط ہے کہ مکی دور میں تو آپؐ کی زندگی محض ایک مصلح کی سی تھی۔ قیام مملکت کا خیال مکی زندگی میں جا کر پیدا ہوا۔ حضورؐ کی زندگی کا مقصد دین کا ممکن تھا اور دین کا ممکن اپنی آزاد مملکت کے بغیر ناممکن تھا۔ لہذا جب آپؐ نے دین کی دعوت کی ابتداء ہی کی تو مملکت کا تصور اس کے ساتھ شامل تھا۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اہم یہی وہ حقیقت ہے جو نہ سیکولر سٹوں کی سمجھ میں آ سکتی ہے (کیونکہ ان کے نزدیک، مملکت کو مذہب کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا) اور نہ ہی مذہب پرستوں کی سمجھ میں (کہ ان کے نزدیک بھی مذہب کو مملکت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہو سکتا) چنانچہ پہلے پاکستان دین کے ممکن کے لئے وجود میں لایا گیا تھا۔

صدرِ اول کے بعد، خلافت، ملکیت میں تبدیل ہو گئی اور دین مذہب بن کر رہ گیا۔ پھر مملکت کو دین سے کوئی تعلق نہ رہا۔ یاد رکھئے! جو حکومت قائم ہی غیر قرآنی طریق سے ہو اس میں دین بار نہیں پاسکتا۔ وہ حکومت سیکولر ہوتی ہے خواہ حکمران مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ صورتِ حالات صدیوں سے برابر چلی آ رہی تھی کہ ہمارے دور میں ایک قرآنی مفکر (اقبالؒ) نے اس فراموش کردہ حقیقت کی یاد دہانی کرائی کہ ہم جس اسلام کے پیرو چلے آ رہے ہیں وہ

اقبالؒ کا پیش کردہ تصور

دین نہیں مذہب ہے۔ دین کا قیام صرف اُس آزاد مملکت میں ممکن ہے جس میں قرآن کی حکمرانی ہو۔ شدہ شدہ تو وہ اس حقیقت کو ایک عرصہ سے پیش کرتے چلے آ رہے تھے لیکن اسے ایک متعین سکیم کی شکل میں انہوں نے سنہ ۱۹۳۱ء کے الہ آباد کے خطبہ میں پیش کیا۔ وہ خطبہ ہماری نئی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے گہرے فکر و تدبیر کا محتاج۔ اس مقام پر میں اس کے چند ایک اقتباسات پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ انہوں نے اپنے خطبہ کا آغاز ان الفاظ سے کیا:-

آپ حضرات نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لئے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو عقیدہ رکھتا ہے، اور اپنے اس عقیدہ میں مایوسی کا کوئی شائبہ نہیں پاتا، کہ اسلام ایک زندہ اور پائندہ قوت ہے جو انسانی نگاہ کو جزا فیائی حدود و قیود کے قفس سے آزاد کر کے اسے اس کی فطری وسعتوں میں اذنِ بال کشائی دے گا۔ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ دین، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اہم ترین قوت کا حامل ہے اور جسے اس کا محکم یقین ہے کہ اسلام خود

تقدیر الہی ہے۔ زمانہ کی تقدیریں اس کے ہاتھ میں رہیں گی، اور اس کی تقدیر کسی کے ہاتھ میں نہیں ہوگی۔ ایسا شخص مجبور ہے کہ تمام مسائل کو اپنے خاص زاویہ نگاہ سے دیکھے۔ یہ ہرگز نہ خیال فرمائیے کہ جس مسئلہ کی طرف میں اشارہ کر رہے ہوں وہ کوئی نظری مسئلہ ہے نہیں۔ یہ تو ایک زندہ اور عملی مسئلہ ہے جو خود نفس اسلام پر بحیثیت ایک نظام حیات و عمل کے اثر انداز ہوگا۔ اس مسئلہ کے صحیح اور مناسب حل پر ہی اس امر کا انحصار ہے کہ آپ حضرات ہندوستان میں ایک ممتاز تہذیب کے علمبردارانہ دل کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں گے۔

اس تمہید کے بعد انہوں نے، ”مذہب اور دین کے فرق کو ان الفاظ میں نمایاں کیا۔ فرمایا:-
حقیقت یہ ہے کہ اسلام، خدا اور بندے کے درمیان ایک روحانی واسطہ کا نام نہیں ہے ایک نظام حکومت ہے جس کی معیشت ترکیبی ہیں یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ ہر عمل خیر کو اپنے اندر جذب کرے۔ اس نظام کا نفعی اس وقت ہو چکا تھا جب کسی روسو کے دماغ میں ایسے نظام کا خیال تک بھی نہیں آیا تھا۔ اس نظام کی بنیاد ایک ایسے اخلاقی نصب العین پر رکھی گئی ہے جس کی رو سے انسان جمادات اور نباتات کی طرح پائیدار مخلوق نہیں سمجھا جاتا کہ اس کو کبھی اس خطہ زمین سے منسوب کر دیا اور کبھی اُس سے۔ بلکہ وہ ایک ایسی روحانی ہستی سمجھا جاتا ہے جس کی صحیح قدر و قیمت اُس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ ایک خاص معاشرتی نظام کی مشینری میں اپنی جگہ فٹ ہو۔ وہ ایک فعال مشینری کا پرزہ ہوتا ہے اور اسے ٹھیک انداز میں چلانے کے لئے اس پر حقوق و فرائض کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

اس نظری بحث کے بعد وہ اس عملی سوال کی طرف آئے جس کے لئے یہ تمہید اٹھائی گئی تھی۔ اس ضمن میں انہوں نے کہا:-

ہندوستان دنیا بھر میں بہت بڑا اسلامی ملک ہے۔ اس ملک میں اسلام یہ حیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک مخصوص علاقہ میں مرکوز کر دیا جائے۔ مسلمان ہند کے اس زندہ اور جاندار طبقہ میں، کہ جس کے بل بوتے پر یہاں برطانیہ کی حکومت قائم ہے، (باوجودیکہ برطانیہ نے ان سے کبھی منصفانہ برتاؤ نہیں کیا) اگر یوں ایک مرکزیت قائم کر دی جائے تو یہ آخر الامر نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ایشیا کی نگہبانی سنبھال سکے گا۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا:-

تنہا ایک ملک میں سات کروڑ فرزندانِ توحید کی جماعت کوئی معمولی چیز نہیں۔ تمام مسلم ایشیا

کے ممالک مجموعی طور پر بھی اسلام کے لئے اتنی گراں بہا مناسع نہیں جتنی اکیلے ہندوستان کی امت اسلام میں۔ اس لئے ہمیں ہندوستان کے مسئلہ کو صرف اس نقطہ نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیئے کہ ہندوستان میں اسلام کا کیا حشر ہوگا بلکہ اپنی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس نقطہ خیال سے بھی کہ ہماری موت اور حیات کا عالم اسلام پر کیا اثر ہوگا۔ ان کی بصیرت نے یہاں تک کہہ دیا کہ

مجھے تو کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ مستقبل قریب میں ہندوستان میں شاید ایسے خطرناک حالات پیدا ہو جائیں کہ ممالکوں کو اپنا جداگانہ محاذ قائم کر کے ان کا مقابلہ کرنا پڑے۔ اس وقت کے حالات کے مطابق اس مسئلہ کا انہوں نے عملی حل یہ بتایا کہ

پاکستان کا ہیولی | میری آمد تو یہ ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو مل کر ایک واحد ریاست قائم کی جائے۔۔۔۔۔ مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام کم از کم اس علاقہ کے مسلمانوں کے مفاد میں لکھا جا چکا ہے۔ اس مملکت کے قیام سے ہوگا کیا؟ فرمایا کہ

اس سے اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی ملکیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں، اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے، اس سے نہ صرف ان کی صحیح معنوں میں تجدید ہو سکے گی، بلکہ وہ زمانہ محال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔

امی حقیقت کو انہوں نے اس سے بھی دو برس پہلے اپنے خطبات تشکیل جدید (کے چھٹے خطبہ) میں سعید حلیم پاشا (مرحوم) کی ہمنوائی میں، ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ

اندلسی حالات ہمارے لئے کشادہ کار کی ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ یہ کہ آئینہ اسلام پر غیر اسلامی رنگ کی جو سخت اور درشت تہیں جم گئی ہیں، اور جس کی وجہ سے اس کا حرکت اور ارتقائی نظریہ یکسر جامد ہو کر رہ گیا ہے، انہیں کھرچ کھرچ کر الٹ کیا جائے، اور حریت، سالمیت، اور مساوات کی حقیقی اقدار کو اسے نو زندگی کر کے، ان کی بنیادوں پر اپنے اخلاقی، عوامی اور سیاسی نظام کی تشکیل جدید کے جانشین جو حقیقی اسلام کی ساواگی، اور انانیت کا آئینہ دار ہو۔

آپ نے غور فرمایا کہ اقبالیہ کی یہ دعوت کیا تھی؟ ایک ایسی مملکت کا قیام جس میں دین ایک زندہ حقیقت کی صورت میں نفاذ پذیر ہو سکے! یہ اسی دعوت ربانی کی صراحتے باز گشت تھی جو پہلے اور حقیقی پاکستان کے قیام کے سلسلہ میں بلند ہوئی تھی۔ اس میں قدم اول اس "مذہب" سے بچھا چھڑانا تھا، جس نے دین کا بارہ اوڑھ رکھا تھا۔ اقبالیہ کے کلام میں، ملاً، فقیہ اور صوفی کے خلاف جو کچھ کہا گیا

ہے (اور بہ تکرار و اصرار کہا گیا ہے) اس کا مقصد یہی ہے۔ انہوں نے آل انڈیا مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس (منعقدہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء) کے خطبہ صدارت میں فرمایا تھا۔
 تمہارے دین کی یہ عظیم نشان بلند فطری، ملاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ ادہم میں جکڑی ہوئی ہے اور آزادی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے ہم حالات و جذبات کے ایک قید خانے میں محبوس ہیں جو صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر لیا ہے اور ہم بوڑھوں کے لئے شرم کا مقام ہے کہ ہم نوجوانوں کو ان اقتصادی، سیاسی بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضر میں آنے والے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ پھر نئی آرزوں، نئی تمناؤں اور نئے نصب العین کی انگلی کو محسوس کرنے لگ جائے۔

یہ تھا مطالبہ پاکستان جذبہ محرکہ جو نہ کسی مذہب پرست (سر) ظفر اللہ خان کے تصور میں آ سکتا تھا، نہ سیکولرزم کے حامی، کسی ولی خان کی سمجھ میں یہ اسی کی سمجھ میں آ سکتا تھا جو اس حقیقت پر یقین رکھتا ہو کہ ایک آزاد مملکت کا قیام جس میں قرآن کی حکمرانی ہو، خود اسلام کا تقاضا ہے۔ اس کے بغیر مسلمان اسلام کے مطابق زندگی بسر ہی نہیں کر سکتے۔

(۷)

محمد علی جناح (قائمِ عظم) اس زمانے میں ہنوز نیشنلسٹ تھے اور ہندو مسلم اتحاد کے زبردست مددگار لیکن وہ اپنی کوششوں میں ناکام ہو کر، ایک شکست خوردہ سپاہی کی طرح، انگلستان کے گوشہ تنہائی میں جاگزین ہو چکے تھے۔ اقبالؒ کی نگاہ دور رس نے مہانپ لیا تھا کہ ان کے اس تصور کو عملی پیکر عطا کرنے کے لئے یہی (اور صرف یہی) مرد میدان موزوں ہو سکتا ہے۔ انہوں نے "نیشنلسٹ جناح" کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ جتنی طور پر کہا نہیں جاسکتا کہ اس سلسلہ کا آغاز کب سے ہوا۔ ان کے سوانح نگار (HECTOR - BOLITHO) نے اپنی کتاب (JINNAH) میں لکھا ہے کہ

مستر جناح نے لندن میں، سر محمد اقبالؒ سے بہت سی ملاقاتیں کیں۔ وہ بڑے اچھے دوست تھے۔
 مسٹر جناح اگرچہ (اپنے سابقہ سیاسی مسلک کے متعلق) اب کسی غلط فہمی میں نہیں تھے۔
 بایں ہمہ وہ اقبالؒ کے دلائل سے (اتنی جلدی) متفق نہیں ہوئے۔ اس میں قریب دس سال کا عرصہ لگ گیا کہ مسٹر جناحؒ نے اس کا اعتراف کیا کہ ہندوستان کی سیاست کے گہرے مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ اقبالؒ کا نقطہ نظر صحیح ہے۔ (صفحہ ۹)
 اس کے بعد جب مسٹر جناحؒ واپس وطن آئے تو اس مصنف نے اس وقت کی کیفیت کا نقشہ ان الفاظ

مصنف کو اس میں کچھ تسارح ہو گیا ہے۔ ان کے خیالات یہی ہم آہنگی بہت پہلے ہو گئی تھی۔

میں کھینچا ہے۔

مشر جناح اپنے بیٹی کے مکان میں بالکل تنہا تھے۔ ان کے پاس کوئی ذاتی شے نہیں تھا جتنی کہ سیکرٹری بھی نہیں جو ان کے خطوط کی نقلیں رکھ سکتا اور ان کے کاغذات کو باقاعدہ فائل کئے جاتا۔ اس بے کامیابی کے باوجود ان کے دراز میں خطوط کا ایک ایسا بٹل تھا جس سے وہ تسکین خاطر حاصل کیا کرتے تھے۔ یہ وہ خطوط تھے جو (اقبال نے) انہیں انگلستان میں ۱۹۳۲ء میں کی ملاقات کے بعد لکھے تھے۔ (ص ۱۱)

ان خطوط کے تذکرہ کے درمیان ایک ضمنی واقعہ۔۔۔ علامہ اقبال جب گول میل کانفرنس کے سلسلہ میں لندن تشریف لائے ہیں تو چوہدری رحمت علی (مرحوم) نے (جو اس زمانے میں دہلی طالب علمی کی زندگی بسر کر رہے تھے) حضرت علامہ کے تصور کی اسلامی مملکت کا خاصا چرچا کر رکھا تھا۔ عام طور پر مشہور ہے کہ لفظ "پاکستان" بھی انہی کا وضع کردہ ہے۔ لیکن، مشر عبدالحمید خان نے، اپنی کتاب (INDIA WINS FREEDOM - THE OTHER SIDE) میں لکھا ہے کہ یہ نام درحقیقت علامہ اقبال کا تجویز فرمودہ تھا۔ (ص ۱۲) مجھے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ۱۹۳۱-۳۲ء میں، علامہ اقبال کے پیش کردہ تصور پاکستان کا چرچا عام ہو گیا تھا۔ انہوں نے ۲۱ جون ۱۹۳۲ء

اقبال کے خطوط

کو، قائد اعظم کے نام اپنے خط میں لکھا تھا کہ

انگلستان سے واپسی سے پہلے، لارڈ لوٹین نے مجھ سے کہا تھا کہ ہندوستان کے مصائب کا حل صرف تمہاری سکیم کی تود سے ہو سکتا ہے لیکن اسے بروئے کار آنے میں شاید پچیس سال کا عرصہ لگ جائے۔ (جناح کے نام خطوط - ص ۲۱)

ہیکٹر بولیتھو نے جن خطوط کا ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض خطوط، خود قائد اعظم کے تعارف کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ علامہ اقبال ۲۸ مئی ۱۹۳۲ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:-

اسلامی قانون کے ایک عرصہ دراز کے مطالعہ کے بعد، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس قانون کو اچھی طرح سمجھ کر اسے نافذ کر دیا جائے، تو کم از کم ہر فرد معاشرہ کو رزق کی ضمانت تو مل جائے گی۔

لیکن مسافروں کی ایک یا ایک سے زیادہ آزاد مملکتوں کے بغیر اسلامی شریعت کا نفاذ اور ارتقا ناممکن ہے۔۔۔۔۔ اس مقصد کے لئے ملک کی تقسیم اور اکثریت کے علاقوں میں آزاد مسلم مملکت یا مملکتوں کا قیام ناگزیر ہے۔ (صفحہ ۱۸-۱۶)

قائد اعظم نے ان خطوط کا بڑا تفصیل تعارف لکھا ہے جس میں مسئلہ تقسیم ہند پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں:-

..... ان خطوط کی تاریخی اہمیت بڑی زیادہ ہے۔ بالخصوص وہ خطوط جن میں اقبال

نے واضح اور غیر مبہم طور پر مسلم ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے سلسلہ میں اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ ان کے خیالات مجموعی طور پر میرے خیالات سے ہم آہنگ تھے اور ہندوستان کو جو آئینی مسائل درپیش تھے ان کے گہرے مطالعہ اور غور و خوض کے بعد آخر میں بھی انہی نتائج تک پہنچا جو سراقبالؒ کے تھے۔ یہی تصورات تھے جو اپنے وقت پر اگر مسلمانان ہند کے متفقہ عزم کی شکل میں نمودار ہوئے اور لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کی اس قرارداد کی صورت اختیار کر گئے جسے عام طور پر قرارداد پاکستان کہا جاتا ہے اور جو ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو منظور کی گئی تھی۔ (صفحہ ۵-۴)

آپ نے غور فرمایا کہ تقسیم ہند کی جس سکیم کو خان دلی خان صاحب، سر ظفر اللہ خان کے ذہن کی تراشیدہ اور لائٹنگ کی پسندیدہ قرارداد دیتے ہیں، اس کا سرچشمہ کیا تھا! ورنہ کن مراحل کو طے کر کے ۱۹۴۷ء کے لیگ کے سیشن تک پہنچی تھی؟

ابھی تک یہی سمجھا جاتا تھا کہ علامہ سراقبالؒ کے خیالات میں ہم آہنگی کی ابتداء ۱۹۳۱-۳۲ء سے ہوئی تھی۔ لیکن (لاہور کے) روزنامہ جنگ، بابت ۱۰ فروری ۱۹۸۲ء میں شائع شدہ حسب ذیل خبر اس سلسلہ کو اور بھی پیچھے لے جاتی ہے۔ لکھا ہے:-

تحریک پاکستان کے بارے میں جدید تحقیق کے نتیجہ میں یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ قائد اعظمؒ اور حکیم الامت کے درمیان ۱۹۲۹ء ہی سے اس بارے میں ہم آہنگی موجود تھی کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی مشکلات کا واحد حل ان کے علیحدہ وطن کے قیام میں مضمر ہے۔ اس موافقت اور ہم آہنگی کا اظہار ۱۹۳۱ء میں ہوا جب علامہ سراقبالؒ نے الہ آباد کے مقام پر اپنا معروف خطبہ پیش کیا۔ یہ شہادت ان دستاویزات کی روشنی میں سامنے آئی ہے جو پاکستان کے معروف قانون دان شریف الدین پرزادہ نے لندن کی انڈیا رفس لائبریری سے حاصل کی ہیں۔

جیسا کہ میں اس املیہ کو متعدد بار دہرایا ہوں، ہماری بد نصیبی یہ ہے کہ نہ تحریک پاکستان کی کوئی مستند تاریخ ابھی تک شائع ہوئی ہے اور نہ ہی قائد اعظمؒ کی کوئی قابل اعتماد سوانح سیات۔ ان موضوعات کے متعلق تحقیق ہو تو معلوم کس کس قسم کے نادر کوائف منصفہ شہود پر آئیں۔

اس مقام پر ایک لمحہ کے لئے رکھئے اور ایک ایسی درخشندہ حقیقت کو سامنے لائیے جس سے آپ کی نگاہوں میں چمک پیدا ہو جائے گی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان بہروز عمامے ملت ز علامہ سراقبالؒ اور قائد اعظمؒ میں فکر و نظر کی کس قدر ہم آہنگی اور مقاصد و نواہی کی کس قدر یک رنگی پیدا ہو چکی تھی جہاں تک عظمت مقام کا تعلق ہے دونوں میں کچھ فرق نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں ہمہ، ان کے باہمی تعلقات کس قسم کے تھے اس کا سمجھ لینا ضروری ہے کیونکہ اس تحریک کو جو محیر العقول کامیابی ہوئی اس میں اس عنصر کا بہت بڑا حصہ ہے۔

جنوری ۱۹۳۵ء کا ذکر ہے کہ نڈت جواہر لعل نہرو، حضرت علامہ سے ملنے کے لئے آئے۔ ان کے ساتھ میاں افتخار الدین مرحوم بھی تھے۔ دوران گفتگو میاں صاحب نے علامہ سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ مسلمانوں کے لیڈر کیوں نہیں بن جاتے۔ مسلمان، مسٹر جناح سے زیادہ آپ کی عزت کرتے ہیں، علامہ صاحب بیٹے ہوئے تھے۔ یہ سنتے ہی غصے میں آ گئے۔ اٹھ کر بیٹھ گئے اور انگریزی میں کہنے لگے۔ ”اچھا! تو جیال یہ ہے کہ آپ مجھے پہلا ٹیٹل مسٹر جناح کے مقابلہ پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسٹر جناح ہی مسلمانوں کے اصلی لیڈر ہیں۔ میں تو ان کا ایک معمولی سپاہی ہوں۔“ (اقبال کے آخری دو سال ۵۳۲ - عاشق حسین جٹاوی)۔

یہ تو علامہ کی نظروں میں قائد عظمیٰ کا احترام۔ دوسری طرف قائد عظمیٰ کو لیجیے۔ انہوں نے ۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو یوم اقبال کی ایک تقریب پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔
مرحوم دور حاضر ہیں اسلام کی تاریخ تھے۔ اس زمانے میں اقبال سے بہتر اسلام کسی اور شخص نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس کا فخر ہے کہ میں نے ان کی قیادت میں بحیثیت ایک سپاہی کے کام کیا ہے۔ (مہنت دار حمایت اسلام - ۳ مارچ ۱۹۴۱ء)

یہ ہوتی ہیں عظیم انسانوں کی علامات! یہ دونوں فی الواقعہ عظیم انسان تھے۔ اس کی روشنی میں ذرا دور حاضر کے لیڈروں پر نگاہ ڈالئے اور آنکھیں جھکا کر رہ جائیے!

(۱۰)

بہر حال، ہم کہہ رہے تھے کہ تقسیم ہند کی سکیم علامہ اقبال کے تصور کی تخلیق تھی جسے قائد عظمیٰ نے ۱۹۴۷ء میں پیش کیا تھا۔ نیشنلسٹ محمد علی جناح کے مسلک میں اس قدر انقلاب ہی کچھ کم تکیر انگیز نہیں لیکن حقیقی اور ابطال سے ناقابل یقین انقلاب وہ ہے جو مسلمانوں کی حکومت اور اسلامی حکومت کی نظری و تخصیص کے متعلق ان کی نگاہ میں پیدا ہوا۔ یہ وہ انقلاب تھا جس کا اظہار جسٹہ جسٹہ تو مختلف مقامات پر ہونا پڑا، لیکن جامع طور پر اس انٹرویو میں ہوا جو انہوں نے ۱۹۴۱ء میں عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد) کے طلباء کو دیا تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح علامہ اقبال کا ۱۹۳۰ء کا خطبہ صدارت اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس میں اسلامی مملکت کی غرض و غایت کو نمایاں طور پر سامنے لا گیا ہے۔ اسی طرح قائد عظمیٰ کا ۱۹۴۱ء کا انٹرویو، اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ انہوں نے اسلام کو کس طرح صحیح طور پر سمجھا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے:-

اس انٹرویو میں ان طلباء نے پہلا سوال یہ کیا کہ مذہب اور مذہبی حکومت کے لازم کیا ہیں۔ اس کے جواب میں قائد عظمیٰ نے فرمایا:-

جب میں انگریزی میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس نہاں اور قوم کے محاورہ کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں

بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محروم اور مقید مفہوم یا تصور نہیں ہے۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآن مجید اور قرآنی اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم انشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی، ہر نیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیم کے احاطہ سے باہر ہو قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں ہر مسئلہ کے لئے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے، اس سے بہتر تصور ناممکن ہے۔

سوال :- اس سلسلہ میں اشتراکی حکومت وغیرہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟
جواب :- اشتراکیت، بالشویت یا دیگر اسی قسم کے سیاسی اور معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے نظام سیاست کی غیر مکمل اور محدود سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سادہ ربط اور تناسب و توازن نہیں پایا جاتا۔

اس کے بعد ان طلباء نے یہ سوال کیا کہ ترک حکومت ایک مادی حکومت (سیکولر اسٹیٹ) ہے۔ کیا اس سے اسلامی حکومت مختلف ہے؟ سوال آپ نے سن لیا۔ اب قائد اعظم کا جواب سنئے اور غور کیجئے کہ کیا اس فتنہ جامع اور رائج الفاظ میں اسلامی حکومت کا صحیح تصور کہیں اور بھی ملتا ہے؟ فرمایا :- میرے خیال میں ترک حکومت پر مادی حکومت کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوتی۔ اب رہا اسلامی حکومت کے تصور کا اختیار، سو یہ بالکل واضح ہے۔ اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفائیکشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔ اور حکمرانی کے لئے آپ کو علامہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد ان طلباء نے سوال کیا کہ وہ مملکت ہیں ہندوستان میں کس طرح مل سکتی ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے کہا کہ مسلم لیگ۔ اس کی تنظیم اور اس کی جدوجہد اس کا رخ، اس کی راہ، سب اس سوال کے جواب ہیں۔ اس جواب کے مختصر الفاظ میں تحریک پاکستان کی پوری غرض و غایت اور مطالبہ پاکستان کا جذبہ محرک سمجھ کر سامنے آ جاتا ہے۔ اس کے بعد طلباء نے ایک دلچسپ سوال کر ڈالا۔ لیکن قائد اعظم نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ علامہ اقبال کی ہم نوائی میں وہ بھی اس سے متفق تھے کہ

میں جانتا ہوں انجام اس کا جس معرکے کے، ملا ہوں غازی

آپ، وہ سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیے :-

سوال :- جب آپ اسلامی اصول کے نصب العین اور طریق کار دونوں میں بہترین حکومت کا یقین رکھتے ہیں اور جان لاد یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو خود مختار علاقے اس لئے مطلوب ہیں کہ وہ دہلی اپنے ذہنی میلان اور تصورات زندگی کو بدل روک لوگ بروئے کار اور دوبہ ترقی لاسکیں، تو پھر اس میں کونسا امر مانع ہے کہ مسلم لیگ زیادہ تفصیل اور توسیع کے ساتھ اپنی جدوجہد کی مذہبی تعبیر و تشریح کر دے؟

جواب :- وقت یہ ہے کہ جب اس جدوجہد کو مذہب سے تعبیر کیجئے تو ہمارے علماء کی ایک جماعت، بغیر اس بات کے سمجھنے کے کہ کام کی نوعیت، تقسیم عمل اور اس کے اصلی حدود کیا ہیں، ان امور کو صرف چند مولویوں کا اجارہ خیال کر لیتی ہے، اور اپنے حلقہ سے باہر اہلیت و استعداد کے باوجود مجھ میں یا آپ میں، (یعنی ان کے اپنے سوا کسی اور میں) اس خدمت کے سرانجام دینے کی کول صورت نہیں دیکھتی۔ حالانکہ اس منصب کی سجاوڑی کے لئے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے، انہیں میں مان مولوی صاحبان میں (الامات و الشہداء) نہیں پاتا۔ (اور مشکل اندر مشکل یہ کہ) وہ اس میشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتے۔

یہی وجہ ہے جو تشکیل پاکستان کے بعد قائد اعظم نے ساری دنیا سے بر ملا کہہ دیا تھا کہ مملکت پاکستان میں تقیہ کریں نہیں ہوگا اس سے آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ نہ صرف یہ کہ یہ سکیم کسی قادیانی کی تخلیق اور انگریز کا خور کا شستہ پودا نہیں تھی بلکہ یہ بھی کہ یہ کوئی (آجکل کی اصطلاح میں) خالصتہ سیاسی تحریک بھی نہیں تھی۔ یہ دین کا تقاضا تھا جسے پورا کرنے کے لئے اقبالؒ اور جناحؒ سرگرم عمل تھے۔ اسی لئے قائد اعظمؒ ملت اسلام ہند کو بار بار متنبہ کرتے رہتے تھے کہ

اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس ملک سے اسلام کا نام و نشان مٹ جائے تو اس کے لئے پاکستان نہ صرف یہ کہ ایک عملی نصب العین ہے بلکہ یہی واحد نصب العین ہے۔

(دس مارچ ۱۹۴۱ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء سے خطاب - تقاریر جلد اول صفحہ ۲۶)

اور یہ کہ

اگر ہم اس جدوجہد میں ناکام رہ گئے تو نہ صرف یہ کہ ہم تباہ ہو جائیں گے بلکہ اس بے صفیر میں مسلمانوں کا اور اسلام کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ (۲۳ مارچ ۱۹۴۵ء کو پاکستان ٹیٹے کی تقریب پر پیغام - تقاریر جلد دوم - صفحہ ۲۵۵)

(۱۰)

خان ولی خان صاحب نے اپنے اسٹوڈیو میں تو یہ بات مجھ لکھی تھی کہ مسلم لیگ کی سنہ ۱۹۴۰ء کی سکیم انگریز کی ہدایت کے مطابق سر ظفر اللہ خان نے تیار کی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ایک خط میں اسے متعین طور پر لکھ دیا۔ (خط کا پورا متن ہم قرا آگئے جل کر نقل کریں گے) اس میں انہوں نے کہا :-

اس سے قبل زبانی طور پر تو ایک علیحدہ مسلم ریاست کی باتیں کی جا رہی تھیں لیکن کوئی تحریری دستاویز موجود نہ تھی اس لئے دائرے کی ہدایت کے مطابق سر ظفر اللہ خان نے ایک

تجویز تیار کی جسے قرارداد کی شکل میں منظور کر لیا گیا۔

چٹان - بابت یکم تا ۸ فروری ۱۹۴۷ء

خان صاحب کو اگر واقعی تلاش ہوتی تو انہیں اس قسم کی دستاویز بھی مل جاتی۔ لیکن جب مقصد کیپٹن اچھانا ہوتا تو پھر ہاتھوں میں پکڑی ہوئی دستاویزات بھی زیر آستین چلی جاتی ہیں۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں سندھ پراونشل مسلم لیگ کا اجلاس کراچی میں منعقد ہوا جس کی صدارت خود

سندھ پراونشل مسلم لیگ کی قرارداد

قائمہ اعظم نے کی۔ اس اجلاس میں حسب ذیل ریزولوشن پاس ہوا۔

سندھ پراونشل مسلم لیگ کے اس اجلاس کی رائے ہے کہ ہندوستان کے وسیع عظیم میں مستقل امن و امان قائم رکھنے، یہاں بسنے والی دو قوموں، یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے اپنے اپنے کلچر کو فروغ دینے، انہیں بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی اپنی اقتصادی اور معاشرتی اصلاح کرنے اور انہیں سیاسی طور پر حق خود ارادیت عطا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہندوستان میں دو مختلف فیڈریشن قائم کئے جائیں جن میں سے ایک فیڈریشن مسلمانوں کا ہو اور دوسرا ہندوؤں کا۔

چنانچہ یہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے کانٹریبیوشن کا خاکہ مرتب کرے جس کی رو سے مسلمانوں کی اکثریت کے صوبے، مسلم اکثریت رکھنے والے ریاستیں اور وہ علاقے جہاں مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے، متحدہ طور پر ایک فیڈریشن کی صورت میں مکمل آزادی حاصل کر سکیں۔ اس فیڈریشن کو اس امر کی اجازت ہونی چاہیے کہ اگر ضروری محسوس ہو تو بیرون ہند کی کسی اسلامی مملکت کو بھی فیڈریشن میں شریک کر سکے۔ اس فیڈریشن میں غیر مسلم اقلیتوں کو اسی قسم کے تحفظات عطا کئے جائیں گے جیسے ہندوستان کے غیر مسلم فیڈریشن میں مسلم اقلیتوں کو حاصل ہوں گے۔

(ہماری قومی جدوجہد - ۱۹۳۸ء - از عاشق حسین ٹالوی - ص ۵۸)

یہ قرارداد ۱۹۳۸ء کی قرارداد پاکستان کا گویا حائر پیش رس تھی۔ فرمائیے تقسیم ہند کی تجویز کے متعلق اس سے زیادہ واضح دستاویزی ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز اور ہندو دونوں پورے پورے ملک کو، واحد فیڈریشن کے شکنجے میں جکڑ دینے کی فکر کر رہے تھے، اور قائمہ اعظم اس کی سخت مخالفت کرتے تھے۔

۲۵ مارچ ۱۹۳۹ء کو میرٹھ ڈویژنل مسلم لیگ کانفرنس کے اجلاس میں (نوابزادہ) لیاقت علی خان (مرحوم) نے اپنے خطبہ صدارت میں پہلے کہا کہ "اگر فیڈریشن قائم ہو گیا تو یقین کیجئے کہ مسلمانوں کی حالت اچھوتوں جیسی ہو جائے گی۔" اور آخر میں کہا کہ اس مسئلہ کا حل اس کے سوا کچھ نہیں کہ ملک کو تقسیم کر لیا جائے۔ (ہماری قومی جدوجہد - ۱۹۳۹ء - از عاشق حسین ٹالوی - ص ۶۰)

خان ولی خان نے اپنے اٹرویلوں میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ جناحؒ، انگریز کے آئندہ کار خفے غائب کو کسی نے ماں کی گالی دی تو اس نے کہا کہ ان بد بختوں کو گالی دیتے کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ بچے کو ماں کی گالی دینی چاہیے۔ جہان کو بہن کی اور بوڑھے کو بیٹی کی۔ اسی استعارہ میں ہم یہ کہیں گے کہ محترم خان صاحب، جذبات کی شدت میں، جناحؒ کے خلاف الزام تراشی کا سلیقہ بھی موصول گئے۔ جناحؒ کو اگر انگریز پرست یا حکومت برطانیہ کا آلہ کار کہا جائے تو اس کی تائید میں آپ کو کوئی سسکینڈ کرنے والا بھی نہیں ملے گا۔ آلہ جناحؒ کی کس ایک خصوصیت پر اپنے پیرائے سب متفق ہیں تو وہ اس کی انگریز دشمنی ہے۔ میں نے اپنے پمفلٹ حسن کردار کا نقش تانبہ۔۔۔ میں تفصیل سے لکھا ہے کہ وہ کس طرح انگریز گورنروں اور وائسرائوں سے ٹکر لیتے رہے۔ اور اس کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب انہوں نے ہنزہ، بین الاقوامی تو ایک طرف، ملک گیر اہمیت بھی حاصل نہیں کی تھی۔ وہ مہم رول لیگ کے مقامی رکن تھے۔ بیٹی کے گورنر لارڈ سٹیڈنہم نے اہل ہند کے خلاف کچھ حقارت آمیز الفاظ کہے تو یہ پھرسے ہونے شیر کی طرح گرے اور اپنی تقریر میں اس کا نام لے کر کہا کہ

یہی ہے وہ رجعت پسند جس نے ایک طرف ہندوستان کے خزانے سے میٹن بہا توڑا اور اسی سازشوں کی راہ نمائی کر رہا ہے جو کسی شریف انسان کے لئے باعث فخر نہیں ہو سکتیں۔

اس کے بعد وہیں کے ایک گورنر۔ لارڈ وائلنگٹن کی باری آئی جس نے مسلم لیگ کے اجلاس کو ناکام بنانے کی نہایت مکروہ کوشش کی تھی۔ جناحؒ نے اس کی الوداعی تقریب میں اس کا وہ حشر کیا جس کا زندہ ثبوت بیٹی کا "جناح میموریل ہال" اب تک ایستادہ ہے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ۱۹۳۷ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت، ہندوستان کی واحد قیودریش بنانے کی اسکیم کی، مسلم لیگ نے کس شدت سے مخالفت کی تھی۔ انگریز چاہتا تھا کہ وہ اسکیم پروان چڑھ جائے۔ تاہم اعظم کو اس سے متفق کرنے کے لئے (بلکہ یوں کہیے کہ خریدنے کے لئے) برطانیہ کے وزیر اعظم لارڈ رمزے میکڈونلڈ نے انہیں ذاتی ملاقات کے لئے بلایا اور کہا کہ اگر سبھا ایک صوبے کا گورنر بن سکتا ہے تو کوئی اور بھی بن سکتا ہے۔ اگر سبھا لارڈ کا خطاب حاصل کر سکتا ہے تو کوئی اور بھی کر سکتا ہے۔

اس نے سمجھا کہ یہ بہت بڑی قیمت ہے جس کے عوض جناح کو آسان سے خریدایا جاسکتا ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ جناحؒ نے کیا کہا؟ انہوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا اور خاموشی سے وزیر اعظم کے کمرے سے باہر نکلنے لگے۔ اس پر وہ بڑا متعجب ہوا اور قائم اعظم کو الوداعی اسٹانڈ کھینے کے ساتھ یہ پوچھ ہی لیا کہ آپ کا ایسا رد عمل کیوں ہوا؟ قائم اعظم نے اس کے جواب میں انتہائی متانت سے کہا کہ

اب میں آپ سے کبھی نہیں ملوں گا۔ آپ مجھے یکاؤ مال سمجھتے ہیں!

اس کے ساتھ ہی آپ پر بھی مسکریں گے کہ اسی لارڈ وائلنگٹن کے ساتھ کیا ہوا تھا جس کے متعلق وہاں صاحب نے

جنّاح اور نلتھگو

کہا ہے کہ اس نے قائد اعظم کو وہ حکیم بھیدانی تھی۔ ہوا یوں کہ اس نے (بحیثیت وائسرائے) دارکونسل مقرر کی اور اس میں مسلم لیگی وزراء، مولوی فضل الحق اور سر سکندر حیات خان کو بھی شامل کر لیا۔ مسلم لیگ نے دارکونسل کو بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا اور قائد اعظم نے ان وزراء سے کہا کہ وہ اس سے مستعفی ہو جائیں۔ جب وائسرائے کو اس کا علم ہوا تو اس نے قائد اعظم کو ملاقات کے لئے بلا بھیجا۔ ملاقات کے لئے گیارہ بجے صبح کا وقت مقرر تھا لیکن قائد اعظم ٹیلیفون پر بار بار یاد دھانی کے باوجود سوا گیارہ بجے سے پہلے وائسریگل لاج میں نہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر بغیر کسی منہ پر وائسرائے سے ملاقات کا مقصد پوچھا۔ اس نے کہا کہ آپ کو میرے بیان سے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ قائد اعظم نے اس کے جواب میں کیا کہا؟ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور وائسرائے سے یہ کہتے ہوئے کہ۔ مجھے آپ کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں۔ کمرے سے باہر نکل آئے۔

اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ممتاز ہندو لیڈر، مسٹر کابجی دوارکا داس نے اپنی کتاب (INDIA'S FIGHT FOR FREEDOM) میں لکھا ہے:-

یہ دیکھ کر دل میں مسرت کی ایک لہر دوڑا اٹھتی ہے کہ ہندوستان میں مسٹر جنّاح کی قامت اور دیانت کا کم از کم ایک لیڈر تو ایسا تھا جس میں اس قدر صداقت اور بے باکی تھی کہ اس نے انگریز وائسرائے کے مت پر کہہ دیا کہ وہ اسے کیا سمجھتا ہے، جبکہ باقی ہندوستانی لیڈر، جن میں کانگریس ہائی کمان بھی شامل ہے، اس وائسرائے کو "مہترین انجمن جنتلمین" اور "مہترین عیسائی جنتلمین" جیسے خطابات سے نوازا کر اس کی چاہوسی کر رہے تھے۔ (صفحہ ۳۵۲)

اس سے بہت پہلے، جرنیل اسٹیٹس مین نے اپنی اشاعت ۲۱ جولائی ۱۹۴۱ء کے ادوار میں لکھا تھا:-

یہی ایک لیڈر ہے جس نے ہمیشہ صداقتوں کو بے نقاب کیا ہے۔ اور مسز سر وجینی نیڈو نے قائد اعظم کی زندگی میں ان کے متعلق کہا تھا:-

ہیں بڑی مدت سے جنّاح کو جانتی ہوں۔ ان کے متعلق خواہ کون رائے بھی قائم کی جائے لیکن میں یہ پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ انہیں کسی قیمت پر بھی خریدا نہیں جاسکتا۔

خان ولی خان کا یہ الزام (کہ قائد اعظم انگریز کے اشارے اور طرف دیکھا کرتے تھے) کوئی نیا نہیں۔ ایک مرتبہ مسٹر گاندھی نے بھی ان کے خلاف ایسا ہی الزام لگایا تھا جب کہا تھا کہ

مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے جنّاح صاحب کی امیدیں دولتِ برطانیہ سے وابستہ ہیں۔ کوئی چیز جو کانگریس کرے اور نہ وہ انہیں مطمئن نہیں کر سکتی۔ (پرچم، ۳ نومبر ۱۹۳۶ء)

قائد اعظم نے کدھ سے جواب دیا کہ

یہ قطعی امر اور حقائق ہیں کہ جس کا مسٹر گاندھی جیسے مرتبہ کی شخصیت کو مرتکب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں مسٹر گاندھی کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مسلمان ہند اپنی اور اپنی طاقت پر فخر و

کئے ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لئے کانگریس اور برطانیہ دونوں کے خلاف آخری خدق تک لڑنے کا عزم کر رکھا ہے اور کسی دوسرے پر تکیہ نہیں کرنا چاہتے۔

(اسٹیٹس مین، کلکتہ، مورخہ ۹ نومبر ۱۹۴۷ء)

خان صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سازشی اسکیم ۱۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو قائمہ عظم کے پاس بھیجی گئی تھی۔ اسی ۱۹۴۷ء کے شروع میں کچھ ایسا محسوس ہوا کہ ہندو اور انگریز، ہندوستان کے مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق مسلمانوں کے علی الاعظم کوئی سکیم تیار کر رہے ہیں۔ اس پر قائمہ عظم نے راجکوٹ سے ایک بیان جاری کیا جس میں پربھائی انداز میں کہا کہ

میں انتباہ کئے دنیا بھر میں۔ اور مجھے امید ہے کہ وائسرائے اور حکومت برطانیہ پورے طور پر اس حقیقت کو سمجھ دیں گے کہ ماضی کی صورت حال کا اعادہ کیا گیا یا ان ضمانتوں کو پورا نہ کیا گیا جو دی جا چکی ہیں یا ان کا احترام ملحوظ نہ رکھا گیا تو ہندوستان میں مہلکتی خطرناک صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ مسلم ہندوستان ان تمام ذرائع سے جو اس کے اختیار میں ہیں ایسی صورت حال کا مقابلہ کرے گا اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔

۲۵ فروری ۱۹۴۷ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کو نسل کا اجلاس ہوا۔ قائمہ عظم نے سیاسی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس میں فرمایا کہ

لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ مسلم لیگ کا مقصد نظر کیا ہے؟ اگر آپ کو اب تک معلوم نہیں ہوا تو غالباً آئندہ بھی معلوم نہیں ہو سکے گا۔ بہر حال سن لیجئے، معاملہ بالکل صاف ہے۔ برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرتا چاہتا ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس ہندوستان اور مسلمانوں دونوں پر حکومت کرنے کے خواہاں ہیں۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ہم برطانیہ اور گاندھی میں سے کسی کو بھی مسلمانوں پر حکومت نہیں کرنے دیں گے۔ ہم آزادی چاہتے ہیں۔

اس سے بھی اہم اور مستند شہادت خود انگریز کے گھر کی ہے۔ (RUSHBROOK WILLIAMS)

اپنی کتاب (THE STATE OF PAKISTAN) میں لکھتا ہے کہ

میرے بعض ہندوستانی دوست باصرہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی تخلیق انگریزوں کی انتہائی میکیاوی سیاست کی نذرہ مثال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تم انگریزوں نے دیکھا کہ ہندوستان میں تمہاری حالت پتلی ہو رہی ہے تو تم نے اپنی روایتی پالیسی — انہیں آپس میں لڑاؤ اور حکومت کرو — کے مطابق کانگریس کے مقابل مسلم لیگ کی پیٹھ پھونچی اور جناح کو اپنا آلہ کار بنا کر، ملک کو تقسیم کر کے، ہمارے مستقبل کو مشتبہ بنا دینے کی ہم شروع کر دی۔

رورش برک کہتا ہے کہ اس الزام کی تردید میں، میں صرف دو دلائل پیش کروں گا۔ جو شخص جناح سے ذرا بھی واقف ہے وہ مجھ سے اس امر میں اتفاق کرے گا وہ (مسٹر جناح) اپنی پوری زندگی میں کسی کا آلہ کار نہیں بنا۔ چہ جائیکہ وہ انگریزوں کا آلہ کار بننا اور دوسرے

یہ کہ اس تمام دوران میں، انگریزوں نے — دہلی اور لندن دونوں جگہ جس منہ پرانہ انداز سے تقسیم ہند کی سکیم کو ناکام بنانے کی کوششیں کیں، وہ خود اس امر کی شہادت ہیں کہ انگریز کبھی تخلیق پاکستان کے حق میں نہیں ہو سکتا تھا۔ (صفحہ ۱)

انگریز کی یہ کوششیں کس طرح — آخری وقت تک جاری رہیں، اس کا اندازہ لارڈ مونٹ بیٹن کے اس اعتراف سے لگا لیجئے جو اس نے ۱۹۴۷ء کے اواخر میں، بی۔ بی۔ سی (نیشن) سے براڈ کاسٹ کیا تھا۔ اس سے سوال کیا گیا تھا کہ ”جب آپ ہندوستان گئے ہیں تو کیا اُس وقت لارڈ مونٹ بیٹن“ اس ملک کو متحد رکھنے کا کوئی امکان تھا؟ اس کے جواب میں اس نے کہا تھا۔

میں ہندوستان گیا ہی اس مقصد کے لئے تھا کہ اسے کسی طرح متحد رکھ سکوں۔ ہم صدیوں کے بعد اس ملک کو چھوڑ رہے تھے تو چاہتے تھے کہ اسے ایک منظم ملک کی صورت میں چھوڑ جائیں۔ اگر ایسا ہو سکتا تو یہ ایک عظیم کارنامہ ہوتا۔ اس کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا ایک اہم انگیزہ تھا جس سے ہندوستان کی قوت پارہ پارہ ہو جاتی تھی۔ لہذا، میں نے اس مقصد کے لئے انتہائی کوشش کی۔ لیکن اس کی راہ میں ایک ایسا شخص حاصل تھا جو پہاڑ کی طرح رکاوٹ بنے کھڑا تھا۔ اور وہ تھا، صدر علی جناح، جو شروع ہی سے یہ کہتا چلا گیا اور اس کے ارادے کو بدلنے کے لئے میری ہر کوشش ناکام رہ گئی۔ مجھے بالآخر اس کے سامنے جھکنا پڑا۔ (طالع اسلام - فروری ۱۹۴۷ء)

اس سے بھی آپ اندازہ لگا لیجئے کہ اس الزام کی حقیقت کیا ہے کہ پاکستان انگریز کی سازش کا نتیجہ تھا جس کے لئے اس نے جناح کو آلہ کار بنایا تھا!

(۱۰)

اب آپ خان عبدالولی خان صاحب کے ترکش کے آخری تیر کو لیجئے جس کی ٹرو سے وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے انگریز کو ہندوستان سے نکالا تھا اور یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ بالفاظ دیگر اس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ (اور اُن کے ہم نوا حضرات) تو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے تھے، اور قائد اعظمؒ اور مسلم لیگ سے متعلق

انگریزوں کا نکالنا

حضرات) ”ٹوڈی بچے“ تھے جو انگریزوں کے زیر حکومت غلامی کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ سمجھنے کی ہے کہ (جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں) علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۷ء میں، مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت کا تصور پیش کیا تھا اور اسی تصور نے پھر آگے چل کر مطالبہ پاکستان کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ایک عام سمجھ بوجھ کا انسان بھی اس سے اتفاق کرے گا کہ انگریزوں کی ہندوستان میں موجودگی میں مسلمانوں کی آزاد حکومت کا امکان ہی نہیں تھا۔ اس قسم کی آزاد حکومت تو لامحالہ انگریزوں کے چلنے کے بعد ہی وجود پا سکتی تھی۔ سن ۱۹۳۷ء میں یہ تو کہا جاسکتا تھا کہ ہم اس آخری منزل تک بتدریج پہنچ سکیں گے لیکن مسلمانوں

کی آزاد حکومت تو بہر حال انگریز اور ہندو دونوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد ہی قائم ہو سکتی تھی! اب اس مسئلہ کے دوسرے گوشے کی طرف آئیے۔ ہندوؤں کا مقصد یہ تھا کہ انگریزوں سے چلا جائے اور ملک منظر پر ہے۔ نیشنلسٹ مسلمان بھی ان کے ہم فوالتھے۔ ایسی صورت میں وہ ان کے مسلمان کی حالت کیا ہو گئی، اس کے متعلق علامہ اقبالؒ نے ۱۹۲۷ء میں، وضاحت کر دی تھی۔ حکیم محمد حسن قریشی (مرحوم) نے حضرت علامہؒ سے اپنی ایک ملاقات کا حال لکھا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ وسط دسمبر ۱۹۲۷ء کی ایک شام، وہ اور حکیم جلال الدین (مرحوم) حضرت علامہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس زمانے میں ہندوستان میں آزادی کی تحریک زور و لہر پر تھی۔ میں نے علامہؒ صاحب سے کہا:-

یہ ظاہر ہے کہ اسلام اور غلامی میں نسبت تضاد ہے۔ اسی لئے قرآنی حکیم میں محکوم مسلمانوں کے لئے کوئی ضابطہ حیات تجویز نہیں کیا گیا۔ بلکہ غلامی کو لغزیر و عقوبت قرار دیا گیا ہے۔ اس حالت میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ موجودہ جہاد آزادی میں مقدمۃ الجیش کی حیثیت سے معرکہ آراء ہوں۔

اس کے جواب میں:-

حضرت علامہؒ نے فرمایا کہ مجھے اس سے اتفاق ہے کہ مسلمانوں کو جنگ آزادی میں پیش پیش ہونا چاہیئے مگر سوال تو یہ ہے کہ کیا موجودہ تحریک کے نتیجے میں مسلمان آزاد ہو سکیں گے؟ مجھے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان انگریز کی جگہ ہندو کے غلام ہو جائیں گے۔ اس سے کیا فائدہ مرتب ہوگا۔ (ادراکِ گم گشتہ۔ از رحیم بخش شاہین۔ ص ۲۸)

یہ مختصر سا جواب ہندو کی اس سازش کو بے نقاب کرنے کے لئے دیا گیا تھا جس میں وہ آزادی کے دامن پر نگہ زمیں میں مسلمانوں کو پھنسانا چاہتا تھا۔ ہندو کی سازش یہ تھی کہ انگریز ہندوستان سے نکل جائے تو وہاں مغربی انداز کا جمہوری نظام قائم کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس نظام میں حکومت اکثریت کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ ہندوستان کی آبادی میں ہندو اکثریت میں تھا اور مسلمان اقلیت ہیں۔ اور ہندو کی یہ اکثریت غیر متبدل (INCONVERTIBLE) تھی۔ یعنی ایسا ہو نہیں سکتا تھا کہ ہندو کبھی اقلیت میں ہو جائے اور مسلمان اکثریت میں۔ لہذا اس جمہوری حکومت میں مسلمان کو ابدی طور پر ہندو کا محکوم رہنا تھا۔ (جیسا کہ اس وقت وہاں ہو رہا ہے) مسلمان نیشنلسٹ، اس باب میں ہندو کے ہم فوالتھے۔ اس حقیقت کی روشنی میں آپ خود اندازہ لگائیے کہ ہندو کی سکیم کی رو سے انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دینے کا ”جہادِ عظیم“ مسلمانوں کے حق میں کیا معنی رکھتا تھا؟ اور نئے نیشنلسٹ مسلمانوں کا وہ کارناما جس کا احسان وہ قدم قدیم پر جتانے اور اہل پاکستان سے اس کا صلہ مانگتے ہیں! یہ تو ہماری خوش قسمتی تھی کہ وہاں اقبالؒ اور جناحؒ پیدا ہو گئے۔ ورنہ نیشنلسٹ مسلمانوں نے تو مسلمان قوم کو ابدی طور پر ہندو کا غلام بنا کر رکھ دیتا تھا!

اس کے بعد جب علامہ اقبالؒ نے سن ۱۹۳۷ء میں پاکستان کا تصور پیش کیا تو یہ بھی واضح کر دیا کہ اسلام

کے نقطہ نگاہ سے غلامی اور آزادی کا مفہوم کیا ہے؟ غیر مسلموں (بلکہ یوں کہیے کہ مسیحوں کے مامیوں) کے نزدیک، اگر کسی ملک پر کسی دوسری قوم کی حکومت ہے تو یہ غلامی ہے۔ اگر اس پر خود ان کی اپنی حکومت ہے تو اسے آزادی کہا جائے گا۔ علامہ اقبالؒ نے بتایا کہ اسلام کے نقطہ نگاہ سے غلامی اور آزادی کا مفہوم اس سے مختلف ہے، اس کے نزدیک، غلامی اور آزادی کا تعین اس سے نہیں ہوتا کہ اس ملک پر اپنی قوم کی حکومت ہے یا کسی دوسری قوم کی حکومت۔ اسلام کے نقطہ نگاہ سے غلامی اور آزادی کا معیار یہ ہے کہ اگر اس ملک میں خدا کی کتاب کی حکمرانی ہے تو مسلمانوں کو آزادی حاصل ہے۔ اگر حکومت انسانوں کی ہے (خواہ وہ اپنی قوم کے ہوں اور خواہ کسی دوسری قوم کے) تو وہ غلامی ہے۔ ہندوستان کی تحریک آزادی میں اصل کشمکش کی بنا ہی یہ تھی۔ اور یہ کشمکش ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہی نہیں تھی۔ اس میں ہندو اور نیشنلسٹ مسلمان ایک طرف تھے اور علامہ اقبالؒ قائم مقام اور ان کے ہم نوا ان کے متقابل، دوسری طرف۔ اور حیرت یہ ہے کہ ان نیشنلسٹ مسلمانوں میں حضرات علماء کرام بھی شامل تھے۔ علامہ اقبالؒ کی زندگی کے آخری ایام میں، دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) کے ساتھ ان کا جو معرکہ ہوا تھا، اس میں بنا و نزع یہی سوال تھا۔ مولانا مدنی نے یہ کہا تھا کہ آزادی حاصل کرنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے اس لئے اس مقصد کے لئے مسلمانوں کو ہندوؤں کا ساتھ دینا چاہیئے۔ اس کے جواب میں حضرت علامہؒ نے جو کچھ فرمایا وہ اسلامی اور غیر اسلامی تصور آزادی میں خط امتیاز کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریز کی غلامی کے بند توڑنا اور اس کے اقتدار کو ختم کرنا ہمارا فرض ہے لیکن اس آزادی سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں، بلکہ ہمارا اول مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقتور بن جائے۔ اس لئے مسلمان کسی ایسی حکومت کے قیام میں مددگار نہیں ہو سکتا جس کی بنیادیں انہی اصولوں پر ہوں جن پر انگریزی حکومت قائم ہے۔ ایک باطل کو شکار دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنی دارد؟ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کلیتہً نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالاسلام بن جائے۔ لیکن اگر آزادی ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ جیسا دارالکفر ہے ویسا ہی رہے یا اس سے بھی بدتر بن جائے تو مسلمان ایسی آزادی وطن پرست مرتجعیت سمجھتا ہے۔ ایسی آزادی کی راہ میں کھانا، پوتانا، روپیہ صرف کرنا، لالچیاں کھانا، جیل جانا، گولی کا نشانہ بننا سب کچھ حرام اور قطعی حرام سمجھتا ہے۔ (معرکہ دین و وطن)

ظاہر ہے کہ دین کی جو لم ایک شیخ الحدیث کی سمجھ میں نہیں آئی تھی وہ خان عبدالولی خان کی سمجھ میں کس طرح آ سکتی ہے؟

سٹر ظفر اللہ کا نوٹ | نے اپنے اس انٹرویو میں رچرچاٹا بابت ۲۱ دسمبر ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا، کہا تھا کہ انگریزوں کو روس کی طرف سے بڑا خطرہ تھا۔ پہلے اس نے کوشش کی کہ ہندو کو روس سے لڑا دے۔ لیکن وہ اس میں ناکام رہا تو اس نے سوچا کہ ہندو کو مسلمان سے بھڑا کر برصغیر کی تقسیم کی راہ ہموار کرے۔ چنانچہ اس نے ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق ہندو لیڈروں کو مسلم قوت کے خلاف کھڑا کر دیا۔ جہاں تک تقسیم ہند کا تعلق تھا۔

اس مشکل کا حل اس مذہبی طبقے نے نکالا جو انگریز ہی کا "خود کاشتہ پیدا" تھا۔ جو نبطا ہر مسلم سوسائٹی کا ایک حصہ تھا مگر درپردہ اسلام کی قوت کا کبیہ اور مسلمانوں کے ملی اقتدار کا سخت مخالف تھا۔ اُسے انگریز نے اسی کام کے لئے تیار کیا تھا کہ وہ اسلام کے گھر میں نقب لگا کر مسلمانوں کی اجتماعی رسوائی کا سامان فراہم کرے۔ اس پولیٹیکل تنظیم کو انگریز کی طرف سے ہر طرح کی اعانت حاصل تھی۔ یہ اس کی پرانی نمک خوار تنظیم تھی۔ اس تنظیم کا لیڈر سٹر ظفر اللہ خان آگے بڑھا اور اس نے گورنمنٹ برطانیہ کی ذمہ داری پریشانی دور کر دی۔ اس نے برصغیر کی تقسیم کا "قابل غل" فارمولا تیار کیا اور اس کا مسودہ وائسرائے لارڈ لنلتھگوق کے سپرد کر دیا۔۔۔۔۔ سٹر ظفر اللہ نے حکومت برطانیہ سے درخواست کی کہ مسلم لیگ اور اس کے قائدین کو اس بات سے آگاہ نہ کیا جائے کہ اس مسودہ کا خالق وہ ہے۔

اس کے بعد خان عبدالولی خان نے اپنے اس خط میں جو انہوں نے ملتان کے ایک شہری محمد شریف صاحب کے نام لکھا تھا، اور جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، اس اسکیم کی وضاحت ان الفاظ میں کی :-
جب وائسرائے لارڈ لنلتھگو، مسلم لیگ لیڈروں کو اپنا ہم خیال بنانے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے اپنی ایجنٹ بیکٹو کو نسل کے ایک رکن، سٹر ظفر اللہ خان کی خدمات حاصل کیں اور اُسے ہدایت کی کہ وہ برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان کی ایک اسکیم تیار کرے۔ اس سے قبل زبانی طور پر تو ایک علیحدہ مسلم ریاست کی باتیں کی جا رہی تھیں لیکن کوئی تحریری دستاویز موجود نہ تھی۔ اس لئے وائسرائے کی ہدایت کے مطابق سٹر ظفر اللہ خان نے ایک تجویز تیار کی، جسے قرارداد کی شکل میں منظور کر لیا گیا۔ (چٹان - یکم فروری تا ۸ فروری ۱۹۸۲ء - صفحہ ۲)

خان ولی خان کا (۲۱ دسمبر ۱۹۸۱ء) انٹرویو شائع ہونے کے فوری بعد، سٹر ظفر اللہ خان نے ان کے الزام کی تردید کی اور (۲۲ دسمبر ۱۹۸۱ء) کے روزنامہ جنگ (لاہور) میں شائع شدہ اپنے بیان میں کہا کہ میں نے تقسیم ہند کے متعلق کبھی کوئی فارمولا وائسرائے ہند، لارڈ لنلتھگو کو پیش نہیں کیا تھا۔

لیکن اس کے قصور سے ہی دنوں بعد اخبارات میں سٹر ظفر اللہ خان کا طویل مدین نوٹ شائع ہو گیا جو انہوں نے لارڈ لنلتھگو کو دیا تھا۔ (دیکھئے پاکستان ٹائمز مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۸۲ء - ۴) اس پر سٹر ظفر اللہ خان نے ایک بیان شائع کیا جس میں تسلیم کیا کہ انہوں نے واقعی لارڈ لنلتھگو کو تقسیم ہند کی اسکیم پیش کی تھی جس کی کاپی قائد اعظم کو بھی بھیجی گئی تھی۔ (ملاحظہ ہو پاکستان ٹائمز مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۸۲ء - ۱) یعنی پہلے

صاف مکر گئے اور جب وہ نوٹ اخبارات میں شائع ہو گیا تو اس کا اعتراف کرنا پڑا، لیکن وہ بھی اس امر کی معذرت کئے بغیر کہ انہوں نے جو بیان پہلے دیا تھا وہ غلط تھا۔ اس اثنا میں، لندن میں پاکستانی سفارت خانے کے منسٹر انظار میبدین قطب الدین عزیز صاحب کا ایک انٹرویو روزنامہ جنگ (لاہور) کی ۱۲ فروری ۱۹۸۲ء کے میگزین ایڈیشن میں شائع ہوا۔ اس میں انہوں نے سر ظفر اللہ خان کے نوٹ (پورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۸۲ء) کا ملخص پیش کیا ہے۔ اس میں کہا یہ گیا ہے کہ سر ظفر اللہ خان نے پاکستان سکیم کو مسترد کرتے ہوئے، اپنی تجویز پیش کی تھی جسے وہ علیحدگی کی اسکیم (SEPARATION) سے تعبیر کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے نوٹ میں لکھا تھا:-

ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان اسکیم کے مقابلہ میں جس منصوبہ کو حال میں سب سے زیادہ حمایت حاصل ہوئی ہے وہ "علیحدگی کا منصوبہ" ہے۔ پاکستان اسکیم اور علیحدگی کی اسکیم میں بڑا فرق ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان اسکیم کے تحت تبادلہ آبادی اشد ضروری ہے اور علیحدگی کی اسکیم میں ایسا کوئی ناممکن اور غیر عملی منصوبہ شامل نہیں۔ مختصر علیحدگی کی اسکیم کا تصور یہ ہے کہ برصغیر کے شمال مشرق میں ایک وفاق ہو جس میں بنگال اور آسام کے صوبے شامل ہوں اور شمال مغرب میں ایک اور وفاق ہو جس میں پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان اور سرحد کے قبائلی علاقے شامل ہوں۔ ہندوستان کے باقی علاقے اسی طرح یا تو ایک واحد یا متعدد وفاق بنالیں شمال مشرق اور شمال مغرب کے وفاق تاجدار برطانیہ سے متعلق ہوں گے۔ اسی طرح بقیہ ہندوستان میں جو وفاق یا متعدد وفاق قائم ہوں وہ بھی تاجدار برطانیہ سے متعلق ہوں گے۔

قبل اس کے کہ ہم سر ظفر اللہ خان کی اسکیم اور قرارداد پاکستان کا مقابلہ کریں، ایک اور واقعہ سامنے لانا بھی ضروری ہے۔ ۹ فروری ۱۹۸۲ء کے روزنامہ جنگ (لاہور) میں "وائسرائے ہند لارڈ فلنچاؤ کی ڈائری کا ایک فرقہ چھپا ہے جس میں قائم عظیم کی وائسرائے کے ساتھ اس طویل ملاقات کا تذکرہ ہے جو ۲۵ ستمبر ۱۹۳۵ء کو ہوئی تھی۔ (اس تاریخ یعنی ۲۵ ستمبر ۱۹۳۵ء کو وہیں میں رکھے گئے کیونکہ سر ظفر اللہ خان کا نوٹ ۱۲ مارچ ۱۹۸۲ء کو بھیجا گیا تھا)۔ وائسرائے نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے:-

میں نے مسٹر جناح سے معلوم کیا کہ آپ اپنے حالیہ بیان کے بارے میں بتائے جس میں آپ نے کہا ہے کہ اب آپ ہندوستان کے لئے جمہوری حکومت پر یقین نہیں رکھتے۔ اگر جمہوری حکومت اس ملک کے لئے نامناسب ہے تو اسے کس طرح خود مختاری اور آزادی حاصل ہو سکتی ہے؟ اب کی اس پالیسی سے اندازاً بین مستقل فرقہ دارانہ جنگ ہو رہی ہے۔ مسٹر جناح نے جواب دیا کہ اس تعلق سے کہنے کے لئے واحد راہ تقسیم ہند ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر تفصیل جاننا چاہتا ہوں

ح۔۔۔ سر ظفر اللہ خان نے کہا ہے کہ جس پاکستانی اسکیم کی انہوں نے مخالفت کی تھی اس سے مراد چوہدری رحمت علی راجہ کی اسکیم تھی۔

تو تقسیم اس کا عملی حل نہیں۔ مسٹر جناح نے برجستہ جواب دیا۔ ”برہان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہ لوگ بہت خوش ہیں۔“

اس کے بعد قائد اعظمؒ ۶ فروری ۱۹۴۷ء کو پھر لارڈ لٹلٹن کو سے ملے اور اسے بتایا کہ مسلم لیگ جو اجلاس مارچ ۱۹۴۷ء کو سہرا ہے، اس میں تقسیم ہند کا مطالبہ پیش کیا جائے گا۔ (چوہدری خلیفہ الزمان کی کتاب ”پانچ دسے نو پاکستان“ ص ۲۳۰۔ بحوالہ پاکستان ٹائمز۔ مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۸۲ء)۔

ان حقائق سے دو باتیں واضح ہیں۔ ایک تو یہ کہ قائد اعظمؒ نے لارڈ لٹلٹن کو ستمبر ۱۹۳۹ء اور فروری ۱۹۴۷ء میں واضح کر دیا تھا کہ مسلم لیگ کا مطالبہ تقسیم ہند کا ہے۔ لہذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ان کے ذہن میں تقسیم ہند کا سوال مارچ ۱۹۴۷ء میں سر ظفر اللہ خان کے نوٹ سے پیدا ہوا۔ اور دوسرے یہ کہ تقسیم سے ان کی مراد مسلمانوں کے لئے آزاد مملکت کا قیام تھا۔

سر ظفر اللہ خان نے اپنی وضاحت (شائع شدہ ۱۳ فروری ۱۹۸۲ء) میں کہا ہے کہ قرارداد پاکستان، بالکل (EXACTLY) میری علیحدگی کی اسکیم کے مطابق تھی۔

اس سے وہی مغالطہ دہینے کی کوشش کی گئی ہے جس کا تاثر ولی خان صاحب نے پیدا کرنا چاہا تھا۔ ظفر اللہ خان صاحب کی علیحدگی کی اسکیم اور قرارداد پاکستان میں ایک بنیادی فرق ہے۔ علیحدگی کی اسکیم میں مسلمانوں کے دونوں وفاق تاج برطانیہ سے وابستہ رہتے ہیں اور قرارداد پاکستان میں مسلمانوں کی آزاد مملکتوں کا مطالبہ ہے۔ ایک آزاد مملکت اور تاج برطانیہ سے وابستہ وفاق میں بنیادی فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ قائد اعظمؒ کسی صورت میں بھی ایسے پاکستان کو قبول نہیں کر سکتے تھے جو کا ملت آزاد نہ ہو۔ (اور تاج برطانیہ سے وابستہ رہے)۔ یہی توجہ فرق تھا جس کی وجہ سے حکومت برطانیہ آخری وقت تک پاکستان کی مخالفت کرتی رہی۔ اور (جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے) قائد اعظمؒ برابر اعلان کرتے رہے کہ

برطانیہ، ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس ہندوستان اور مسلمانوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم — نہ انگریزوں کو مسلمانوں پر حکومت کرنے دیجئے، نہ مسٹر گاندھی کو۔ ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ (آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ ۲۵ فروری ۱۹۴۷ء سے خطاب) (نقاد بر قائد اعظمؒ، جلد اول۔ ص ۱۵۸)

قائد اعظمؒ نے وار کوفل کے سلسلہ میں جو کچھ لارڈ لٹلٹن کو کے ساتھ کیا تھا، اسے ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ اس مقام پر ایک اور چشمہ ملاحظہ فرمائیے۔ ”وسط ستمبر ۱۹۳۹ء میں وائسرائے نے مسٹر جناح سے کہا کہ انہوں نے مسٹر گاندھی کو بلا لیا ہے، آپ بھی تشریف لائیے۔ مسٹر جناح نے جواب دیا کہ میں ان دنوں بہت مشغول ہوں۔ یکم اکتوبر سے پہلے نہیں آ سکتا۔ اس سخت جواب سے سر سکندر حیات اور سر ظفر اللہ خان بہت ناخوش ہوئے۔“ (جنگ لاہور۔ ۹ فروری ۱۹۸۲ء)

دین کا تقاضا تھا جسے ہمارے زمانے میں علامہ اقبالؒ نے سمجھا اور جس کے مطابق قائد عظیمؒ نے ایک عظیم مملکت حاصل کر کے ہمارے حوالے کر دی کہ ہم بے کار بیٹھے یہ گتھیاں سلجھاتے اور دسواں پھیلاتے رہیں کہ تصویر پاکستان کا خالق کون تھا؟ جس مقصد کے لئے یہ خطہ زمین حاصل کیا گیا تھا، اگر اس کے مطابق یہاں حکومت قائم ہو جاتی۔۔۔ یعنی یہ ”پہلے اور حقیقی پاکستان“ کا نقش ثانی بن جاتا۔۔۔ تو جن لوگوں نے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کی تھی انہیں اس قسم کے اعتراضات کا موقع ہی نہ ملتا۔ اس مملکت کا وجود اس سوال کا زندہ جواب ہوتا کہ اس کے خیم کا جذبہ ہمارے کیا تھا؟ (جیسا کہ شروع میں کہا جا چکا ہے) ہماری انتہائی بدقسمتی ہے کہ ہمارے ہاں نہ تحریک پاکستان کی کوئی مستند تاریخ مرتب ہوئی ہے، نہ قائد عظیمؒ کے قابل اعتماد سوانح حیات۔ (ادریوں نظر آتا ہے کہ ایسا دانستہ کیا گیا ہے کیونکہ اس قسم کی حقیقی اور مستند دستاویزات کی موجودگی میں نہ کسی کے لئے کسی قسم کی ممانعت کرنے کی گنجائش ہوتی، نہ اپنی ہراس کیم کو اسلامی کہہ کر پیش کرنے کی جرأت۔ ایسی تاریخ مرتب نہ ہوئی اور وہ لوگ آہستہ آہستہ اٹھتے جا رہے ہیں جو اس معرکہ میں خود شریک تھے۔ اس کے بعد کوئی یہ بتانے والا بھی نہیں رہے گا کہ ہم نے پاکستان کیوں مانگا تھا؟ اس طرح حقیقت خرافات میں کھو جائے گی اور اس کی جگہ افسانے لے لیں گے۔ یہی کچھ پہلے حقیقی پاکستان کے ساتھ ہوا تھا، یہی کچھ اس خطہ زمین کے ساتھ ہو گا جسے ”پاکستان“ بنانے کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔

بائیں ہمہ، خدا کی کتاب، یہ بتانے کے لئے زندہ اور پائندہ رہے گی کہ حقیقی پاکستان کا خیم کس طرح دین کا تقاضا ہے۔ اس کتاب عظیم کے مطابق ”پاکستان“ بہر حال قائم ہوتا ہے۔ یہاں نہ سہی، کہیں اور سہی۔ (اقبالؒ کے الفاظ ہیں)۔

محفلیں مالجے نے ولے ساقی است	ساز قرآن را نوا باقی است
زخمہ مالجے اثر افستہ اگر	آسمان دارد ہزاراں زخمہ در
ذکر حق از امتاں آمد غنی!	از زمان و از مکان آمد غنی!
ذکر حق از ذکر ہر ذاکر جدا است	احتیاج دوم و شام اور انجاست
حق اگر از پیش ما بردار دش	پیش قدمے دیگرے بگزار دش
از مسلمان دیدہ ام تشدید وطن	ہر زمان جہانم بلرزد و در بدن

ترجمہ از روزے کہ محروم و مشن کنند

(جواہر نامہ - ص ۹۱)

آتش خود بردل دیگر نہ نمند!

و این تشو تو ایستندیل تو ماعتیر کمرہ شہر لایکونو آمتشا فکمرہ (پہچن)
اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئیگا۔ اور وہ تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔

اقبالؒ نے دوسرے مقام پر اس الم انگیز نوحہ کو ایک مصرع میں سمو کر رکھ دیا ہے۔

داستان کا کیا پوچھتے ہو، وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ

خوابیم زیادہ رفتہ و تغیرم آرزو دست

میں نے ایک خواب دیکھا تھا جو بھول چکا ہے۔ اور میں اس بھولے ہوئے خواب کی تعبیر لوگوں سے پوچھتا پھرتا ہوں! آج جو اس قسم کے سوالات پوچھے جا رہے ہیں کہ حصول پاکستان سے مقصد کیا تھا؟..... اسلامی نظام ہوتا کس قسم کا ہے!..... اسلامی مملکت کی امتیازی خصوصیت کیا ہے..... تو یہ سب ایک بھلائے ہوئے خواب کی تعبیریں دریافت کرنے کی سعی لا حاصل ہے۔

ان سوالات کا جواب قرآن سے مل سکتا تھا لیکن قرآن سے اس قوم کو اس طرح ڈر لگتا ہے جس طرح دربار فرعون کے مذہبی پیشوا عصائے کلہمی سے لرزاں و ترساں تھے کہ تَلَفُفْ مَا يَأْتِيكَ كُفُونٌ (۱۱۶) "وہ ان کی اقترا پردازیوں کو نگل جائے گا۔"

لیکن یہ ساحرین، اپنی شعبہ بازیوں کو کب تک بچائے رکھیں گے۔ انہوں نے ایک دن ٹمٹما ہے۔

رات کے ماتھے پہ افسردہ ستاروں کا ہجوم

صرف خورشید و رختاں کے نکلنے تک

اُس وقت نہ کسی فرعون کی آمریت باقی رہے گی، نہ کسی پادشاہ کی عبودیت۔ نہ کسی سامری کی فسوں سازیاں و جہاں ایلد فریبی ہوں گی، نہ کسی تاروکن کی استحصال انگیزیاں۔ اس وقت حکومت صرف خدا کی کتاب کی ہوگی۔ وَ أَشْرَقَتِ الْأَمْشُرُ بِمُؤْمِنٍ كَرِيمٍ (۱۱۷) "اور یوں" زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ اس وقت اندھے بھی دیکھ لیں گے کہ جس "پاکستان" کا تصور اقبالؒ نے پیش کیا تھا وہ کس قدر حیات بخش اور انسانی ساز ہوتا ہے۔

آ! اے میری بے چین نگاہوں کے سہارے

نڈت سے تیری راہ گزر دیکھ رہا ہوں!

مطالبہ پاکستان اور تشکیل پاکستان کے بعد کے عواقب کی پوری داستان قرآن کریم کی اس ایک آیت میں چھپی ہوئی ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ هُمْ أَلْفِ سِقُونِ (۱۱۸)

جو لوگ قوانین خداوندی کی صداقت پر یقین رکھیں اور اس کے متعین کردہ پروگرام کے مطابق کام کریں ان خدا نے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں مملکت عطا کی جائے گی جس طرح اس پروگرام پر عمل کرنے والی سابقہ اقوام کو مملکت عطا کی گئی تھی۔ اس مملکت کا مقصد یہ ہوگا کہ خدا کے پسندیدہ دین کو ممکن حاصل ہو۔ ان لوگوں کا خوف امن سے بدل جائے۔ وہ اس قابل ہو جائیں کہ صرف قوانین خداوندی کی اطاعت کریں اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں مجبور نہ کر سکے کہ وہ قوانین خداوندی کے ساتھ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی اطاعت کریں۔

جو لوگ ایسی مملکت حاصل ہو جانے کے بعد اس کے اس مقصد و منہی سے انکار کر دیں اور قوانین خداوندی کے بجائے اپنے قوانین نافذ کرنے لگ جائیں تو انہیں اس سے محروم کر دیا جائے گا۔